

Bay-Gunah Sukhi

[تعلیم کی چاہ نے سکھی کو رسوا کر دیا غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی اس کو مورد الزام ٹھہرایا گیا – اتنی ترقی ہونے کے باوجود نجانے ہمارے گاؤں میں رہنے والے کیوں نہیں بدلے۔ جہالت اور سوچ کی پسماندگی یقیناً بہت سی لڑکیوں کی زندگی تباہ کر چکی ہے آخر سکھی کے ساتھ ہوا کیا آپ کو بتائی ہوں۔ میرے تایا کی بیٹی سکھی بہت اچھی لڑکی تھی۔ وہ ماں، باپ کی اتنی فرمانبردار تھی کہ سب رشتے دار اپنی بچیوں کو اس کی مثالیں دیا کرتے تھے۔ اگرچہ غریب گھرانے سے اس کا تعلق تھا مگر وہ نہ لالچی تھی اور نہ کسی شہزادے کے خواب دیکھتی تھی۔ وہ بس کہتی کہ کاش! مجھے میرے والد پڑھنے کی اجازت دے دیں تو میری زندگی سنور جائے۔ بتائی چلوں کہ ہم ایک گائوں میں رہا کرتے تھے جہاں لڑکیوں کو پڑھانا برائی تصور کیا جاتا تھا۔ سارے گاؤں کے لوگ پرانے خیالات کے تھے، آج کے زمانے سے صدیوں پیچھے تھے۔ وہ ایسے رسم و رواج کے پابند تھے جن کا ترقی یافتہ دور میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سکھی کا باپ ترک چلاتا تھا۔ وہ ترک پر فروٹ لاد کر دوسرے شہروں میں لے جاتا تھا۔ اس طرح وہ حلال کی روزی کما کر اپنے بچوں کا پیٹ پال رہا تھا۔ غربت کے باوجود میرے تایا کی گائوں میں بہت عزت تھی کہ وہ غلط طریقوں سے دولت کمانے کو برا جانتا تھا۔ کافی عرصے سے بڑے شہروں میں آنے جانے سے اس کے ذہن میں کافی تبدیلی آگئی تھی۔ اب وہ لڑکیوں کی تعلیم کو برا نہیں سمجھتا تھا لیکن برادری کے اعتراضات سے بچنے کے لئے سکھی کو اسکول نہیں بھیجتا تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ اس کی بیٹی پڑوس کی لڑکی کی منت سماجت کر رہی ہے کہ وہ اسے پڑھنا لکھنا سکھا دے یہاں تک کہ اس نے پڑوسن لڑکی کے پاؤں کو بھی ہاتھ لگائے جس پر تایا کو غیرت آئی اور اس نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ میری بچی! تم میری لاج رکھنا۔ میں تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گا۔ میں تمہیں اپنے گائوں کے اسکول میں مڈل تک تعلیم دلوانوں گا۔ چونکہ ہمارے گاؤں میں لڑکیوں کا اسکول مڈل تک ہی تھا لہذا سکھی نے اپنے باپ سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی عزت کی لاج رکھے گی۔ ہرگز ایسا موقع نہ دے گی کہ باپ کو دنیا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ یوں تایا نے اسے اسکول میں داخل کروا دیا۔ اس کی کلاس میں ایک امیر باپ کی بیٹی حسن بانو بھی پڑھتی تھیں جس نے سکھی کی اچھی عادات اور نرم مزاجی کے سبب اسے پسند کر لیا اور دونوں کی دوستی ہوگئی۔ وہ کار میں آتی جبکہ سکھی پیدل اسکول جاتی تھی۔ حسن بانو کا بھائی اکثر گاڑی پر اپنی بہن کو اسکول چھوڑنے اور لینے آتا تھا۔ اس کا نام زمان خان تھا۔ وہ حسن پرست نوجوان تھا۔ جب اس نے سکھی کو دیکھا تو اس پر فریقتہ ہوگیا۔ چاہتا تھا کہ یہ لڑکی مجھ سے کلام کرے لیکن وہ چھٹی کے وقت جب اپنے گھر کی سمت رواں دواں ہوتی تو ہر شے سے بے نیاز ہوکر چلتی۔ اسے زمانے کی ہوا نہ لگی تھی۔ گئی بار حسن بانو نے کہا کہ آؤ سکھی! میں تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ دوں۔ ہم ایک ہی راستے سے آتے جاتے ہیں۔ تم میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ مگر سکھی نے انکار کر دیا۔ کہا کہ جب مجھے پیدل ہی جانا ہے تو پھر کسی کی گاڑی میں بیٹھنے کا کیا فائدہ! میرے والد کی بھی اجازت نہیں ہے کہ میں کسی کی گاڑی میں بیٹھوں۔ میری چھوٹی بہن کو بھی تایا نے والد سے کہہ کر اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔ اس طرح یہ دونوں اکٹھے آتی جاتی تھیں۔ میرے والد بھی کافی سخت مزاج آدمی تھے۔ یہ دونوں وقت پر اسکول جاتیں اور وقت پر گھر آجائیں۔ کبھی کسی سبیلی کے گھر یا ادھر ادھر نہیں جاتی تھیں۔ اسی طرح وقت تیزی سے گزرتا رہا اور یہ آٹھویں کلاس تک پہنچ گئیں۔ تایا خوش تھے کہ سکھی بہت اچھے نمبر لائی تھی۔ اسکول کی استانیات اس کی تعریف کرتی تھیں۔ انہیں امید تھی سکھی بورڈ کے امتحان میں پوزیشن لے گی اور ان کے اسکول کا نام روشن کرے گی۔ ہوا بھی ایسا ہی! مڈل کے سالانہ امتحان میں اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ٹیچر نے گھر آکر اس کے والدین کو مبارکباد دی۔ تایا بہت خوش تھے۔ انہیں اپنی بیٹی پر فخر محسوس ہوتا تھا۔ ہم سب اس کی شاندار کامیابی پر خوش تھے۔ خوش نہیں تھا تو ایک زمان کیونکہ وہ ابھی تک سکھی سے بات کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ اس کے دل میں یہ آرزو شدید ہوتی جارہی تھی کہ وہ سکھی کو اپنی جانب مائل کر لے تاہم اپنی بہن سے یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ یہ ایک معیوب بات تھی۔ پہلے وہ اسکول آتے جاتے اس کا دیدار کر لیتا تھا، اب سکھی نے اسکول آنا بند کر دیا تھا اور گھر بیٹھ گئی تھی تبھی مجبور ہوکر اس نے حسن بانو سے کہا کہ تم اس لڑکی سے دوستی کا رشتہ قائم رکھو کیونکہ میں سکھی سے شادی کرنے کا خیال رکھتا ہوں۔ حسن بانو نے سمجھایا کہ یہ بات ممکن نہیں ہوگی کیونکہ ہمارے والد دولت کے پجاری ہیں، وہ ہرگز ایک غریب کی بیٹی کو اپنی بہو بنانا پسند نہ کریں گے۔ تم اس خیال کو ذہن سے نکال دو۔ زمان کو مگر چین نہ تھا۔ وہ ہر حال میں سکھی سے رابطہ کرنا چاہتا تھا۔ انہی دنوں سیل فون نیا نیا آیا تھا۔ سکھی کے والد کو بھی دو سیل فون اس کے مالک نے دینے کے ایک اپنے پاس رکھو تاکہ جب تم گھر میں ہو تو میں تم سے رابطہ کرسکوں، دوسرا اپنی بیوی کو دے دو تاکہ جب تم ڈیوٹی پر دوسرے شہروں میں قیام کرو تو وہ تم سے رابطہ کرسکے۔ تایا جی نے ایسا ہی کیا۔ ایک فون خود رکھا، دوسرا بیوی کو دے کر کہا کہ اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہارے سوا اس فون کو گھر میں کوئی اور استعمال نہ کرے۔ ہاں! میں بہت خیال رکھوں گی اور کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دوں گی۔ ثانی نے جواب دیا۔ واقعی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ فون اپنے پاس رکھتیں لیکن وہ پڑھی لکھی نہیں تھیں۔ جب نمبر ملانا ہوتا، انہیں سکھی سے کہنا پڑتا کہ نمبر ملا کر دو اور وہ ماں کو نمبر ملا دیا کرتی۔ تایا اور ثانی مطمئن تھے کہ ہماری بیٹی ایسی نہیں ہے کہ موبائل فون کو استعمال کرے۔ پہلے ثانی فون پر وقت اپنی نگرانی میں رکھتیں لیکن پھر انہوں نے اس کی پروا چھوڑ دی کہ فون کہاں رکھا ہے کیونکہ سکھی کسی کو فون کرتی تھی اور نہ ہم لڑکیوں میں سے کسی کے پاس سیل فون تھے سوائے حسن بانو کے! بات کرنی ہوتی تو پہلے وہ سکھی کی ماں سے بات کرتی، اجازت مانگتی تو ثانی اس کی بات سکھی سے کروا دیتی تھیں۔ کسی طرح زمان نے سکھی کی والدہ کا نمبر معلوم کیا اور ایک دن اپنی ایک رشتے دار لڑکی کے ذریعے فون ملا کر سکھی سے بات کی۔ جب سکھی نے بیلو کہا تو لڑکی نے فون زمان کو دے دیا۔ اس نے سکھی سے بات کی کہ میں کئی سال سے تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔ تم مجھے پسند ہو۔ تمہارے والد جو مانگیں گے، ہم وہ دے دیں گے۔ میں تمہیں اپنی دلہن بنانوں گا۔ تم کبھی کبھی فون پر مجھ سے بات کر لیا کرو۔ یہ الفاظ سن کر سکھی کو بہت غصہ آیا۔ اس نے فوراً فون بند کر دیا۔ اب بار بار ثانی کا فون بجتا۔ جب وہ اٹھاتیں، بند ہوجاتا۔ وہ سمجھتیں کہ راتگ نمبر ہے، کوئی تنگ کر رہا ہے لیکن سکھی کو علم تھا یہ کوئی اور نہیں زمان ہے۔ اس نے کسی طرح حسن بانو سے۔ رابطہ کیا اور کہا کہ اپنے بھائی کو سمجھاؤ ایسا نہ کرے۔ اگر میرے بابا جان کو علم ہوگیا تو میرے ساتھ ہی نہیں، اس کے ساتھ بھی بہت برا ہوگا۔ زمان مگر کہاں سمجھنے والا تھا۔ وہ ایک ضدی لڑکا تھا۔ اس نے کوشش جاری رکھی۔ اتفاق سے انہی دنوں اس کے

کو خط تحریر کیا کہ گھر کا کوئی شیشہ ٹوٹا جس سے اس کی کلائی زخمی ہو گئی۔ اس نے فوراً اپنے خون سے سکھی اگر تم نے مجھ سے فون پر بات نہیں کی تو میں جان دے دوں گا۔ میں نے یہ خط اپنی کلائی کاٹ کر تحریر کیا ہے۔ اس نے خط موقع دیکھ کر ایک بچے کے ہاتھ بھیج دیا جو اسے حفاظت سے مل گیا۔ اس نے خط کھول کر پڑھا تو بہت پریشان ہوئی کیونکہ خط خون سے لکھا ہوا تھا اور زمان کا نام بھی تحریر تھا۔ اگر تم نے جواب نہیں دیا تو میں اپنی شہ رگ کاٹ لوں گا۔ اس کی دھمکی سے وہ بچاری ڈر گئی۔ اتفاق کہ وہ ہمارے گھر آئی تو حسن بانو بھی اپنی والدہ کے ہمراہ آئی ہوئی تھی کیونکہ اس کی ماں سے میری امی کی بھی سلام دعا تھی۔ سکھی نے حسن بانو کی خیریت پوچھی۔ وہ بولی۔ خبر نہیں ہے کیونکہ میرے بھائی کی کلائی بری طرح زخمی ہو گئی تھی اور اب وہ اسپتال میں داخل ہے۔ یہ سن کر سکھی پریشان ہو گئی تبھی حسن بانو نے کہا۔ تم جانتی ہو کہ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اب اگر تم اس کی زندگی چاہتی ہو تو ایک بار میرے بھائی کو اسپتال دیکھ آؤ تاکہ وہ جلد صحت یاب ہو جائے۔ وہ سادہ دل لڑکی ایسے جھیلوں میں نہیں پڑتا چاہتی تھی لیکن یہ بھی نہ چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے کسی کی جان چلی جائے۔ اس نے کہا کہ تم اپنے بھائی کو سمجھاؤ، ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اس کے ساتھ رابطہ نہیں رکھ سکتی کیونکہ اپنے والد سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی عزت کی لاج رکھوں گی۔ وہ بولی۔ میں کب کہتی ہوں کہ تم اس کے ساتھ محبت کرو، میں یہ چاہتی ہوں کہ تم ایک بار مل کر اسے سمجھا دو تاکہ وہ دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس سے تم لوگوں یا ہماری عزت میں فرق آئے۔ یوں کہہ سن کر حسن بانو نے اسے راضی کیا اور ہمارے گھر سے اسے اسپتال لے گئی۔ سکھی نے کہا۔ اگر میری ماں پوچھے کہ کہاں گئی ہے تو کوئی بہانہ کر دینا، میں صرف پانچ منٹ وہاں رکوں گی اور زمان کو خدا کا واسطہ دے کر سمجھاؤں گی کہ وہ ان حرکتوں سے باز آجائے۔ اللہ کی مرضی اس کی ماں نے تو نہ پوچھا، وہ سمجھی کہ ہمارے گھر میں بیٹھی ہے لیکن اس کے والد نے سکھی کو اسپتال میں زمان سے بات کرتے دیکھ لیا۔ وہ اپنے ایک بیمار دوست کی عیادت کو اسپتال گئے تھے۔ گھر آکر بیٹی کی خوب خبر لی ساتھ ہی بیوی کو بھی مارا کہ تم نے دھیان کیوں نہیں دیا کہ یہ اسپتال اس لڑکے کی عیادت کو چلی گئی۔ اس کے ساتھ اس کا کیا واسطہ ہے۔ تاپا ا نے یہیں پر بات ختم نہیں کی بلکہ بیوی سے کہا کہ اب میں سکھی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، کسی دن مار دوں گا۔ بیوی ڈر گئی کیونکہ یہاں ایسی باتوں پر لڑکیوں کے قتل ہوتے رہتے تھے۔ ثانی کو بھی یقین ہو گیا کہ سکھی کے باپ نے محض دھمکانے کے لئے ایسا نہیں کہا، وہ بیٹی کی جان بھی لے سکتا ہے۔ ثانی نے تاپا کے آگے ہاتھ جوڑے کہ بیٹی کو مت مارنا۔ تم نے اسے پڑھایا لکھایا ہے تو اس پر یقین رکھو کہ اس نے کوئی غلط حرکت نہیں کی ہوگی۔ اور غلط حرکت کیا ہو سکتی ہے، میں نے خود اپنی انکھوں سے مردوں کے وارڈ میں اس لڑکے سے باتیں کرتے دیکھا ہے۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے۔ تم کیا چاہتی ہو کہ میں سکھی کو زندہ رکھ کر اس سے زیادہ سنگین جرم کا ارتکاب کروں اور اس لڑکے کے ساتھ اس کے خاندان کو بھی ختم کر دوں؟ ثانی بہت ڈری ہوئی تھیں۔ انہوں نے شوہر کے قدموں کو چھو کر کہا۔ کیا اس کے علاوہ کوئی حل نہیں...؟ ہو سکتا ہے اگر لڑکے کا باپ ہمیں سو بھیڑیں دے کر ہماری لڑکی کا رشتہ مانگ لے کیونکہ وہ پیسے والا ہے، اتنی بھیڑیں دے سکتا ہے۔ یہاں بہت سے قبیلوں میں اب بھی یہی رواج ہے کہ لڑکی کا رشتہ طے کرنے وقت کچھ رقم نقد یا مال مویشی کی صورت میں لڑکے والوں سے لے کر رشتہ دیا جاتا ہے اور یہ رقم بیٹی کی شادی پر خرچ کردی جاتی ہے۔ اسے ایک رسم کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اس طرح لڑکی والوں کی عزت ہوتی ہے۔ میرے تاپا جی چونکہ نگر نگر کی گھومتے تھے لہذا وہ بیٹی کو سزا نہیں دینا چاہتے تھے جو یہاں کا رواج تھا کہ اگر لڑکی کسی غیر لڑکے سے رابطہ رکھے تو اسے یا دونوں کو ہی جان سے مار دیا جائے۔ ثانی نے کہا۔ ٹھیک ہے میں جاکر حسن بانو کی والدہ سے کرتی ہوں۔ مجھے امید ہے وہ میری بات مان مان لے گی اور شوہر کو راضی کر لے گی۔ یوں وہ زمان کے گھر میری امی کے ساتھ گئیں۔ معاملے کی سنگینی بتا کر منٹ سماج کی کہ اگر تمہارا لڑکا چاہتا ہے تو شوہر کو راضی کرو۔ وہ عزت سے رشتہ مانگ کر میری لڑکی کو بہو بنالے ورنہ میرا شوہر سکھی کو مارنے کی قسم کھا چکا ہے۔ خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو۔ عورت کا دل ثانی کے آنسو دیکھ کر پسپا گیا۔ حسن بانو نے بھی اپنی ماں سے کہا کہ زمان کب سے سکھی سے رابطے کی کوششوں میں تھا مگر وہ اس کو موقع نہ دیتی تھی تو میں ہی سکھی کو اسپتال لے گئی تھی کہ وہ بھائی کو سمجھاؤ۔ خاتون نے شوہر سے بات کی۔ وہ دولت مند آدمی غرور کا مارا ہوا تھا۔ اس نے نہ صرف انکار کیا بلکہ بیوی سے کہا کہ آئندہ مزدور کی یہ عورت ہمارے گھر نہ آئے، اپنی اوقات میں رہے۔ بیوی نے سمجھایا کہ تمہارا بیٹا ہی مسئلہ پیدا کر رہا ہے۔ کسی دن وہ بھی سکھی کے ساتھ مارا جائے گا پھر تم کیا کرو گے؟ یہ دولت تمہارے کس کام آئے گی۔ ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔ زمان کے والد نے کچھ دیر سوچا پھر کہا۔ میں زمان سے بات کرتا ہوں۔ اگر وہ ہاں کر دے گا تو ہم رشتہ لے لیں گے۔ باپ نے بیٹے سے بات کی تو حیرت کی بات ہے کہ اس نے صاف انکار کر دیا۔ کہا کہ سکھی کو میں اس قابل نہیں سمجھتا کہ ہمارے گھر کی بہو کہلائے۔ آپ اس کی ماں کو انکار کر دیں۔ ماں مجبور ہو گئی کیونکہ باپ اور بیٹے دونوں نے سکھی کا رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تاپا نے بیوی سے کہا۔ وہ لوگ عزت کے ساتھ رشتہ لینے پر راضی ہیں؟ جواب ملا کہ نہیں! انہیں دولت کا گھمنڈ ہے۔ یہ رشتہ ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے ہمیں کمتر سمجھ کر انکار کر دیا ہے۔ اب تم کیا کرو گے، کیا سکھی کو واقعی مار دو گے؟ میں یہ نہیں کر سکتا مگر بھابی کو ہمراہ لے کر زمان کے والدین کے پاس گئیں، یہ تم نے غلطی کی۔ اب بات کھل جائے گی۔ وہ اپنے میکے میں ضرور یہ بات بتلائے گی۔ اس لئے مجھے سکھی کو اپنے گھر سے روانہ کرنا پڑے گا۔ یوں تاپا نے بیٹی کی جان تو بخش دی لیکن اسے دوردراز کے گائوں میں ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بچے بانسری! جس شخص نے اسے خریدا، اس نے اپنے بیٹے کا گھر بسانا تھا۔ وہ ایک بزرگ آدمی تھا۔ سکھی کا نکاح بیٹے سے کیا اور اسے بہو بنا کر اپنے گھر میں رکھ لیا۔ عموماً ایسی خریدی گئی لڑکی کی نہ سسرال میں عزت ہوتی ہے اور نہ شوہر اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے لیکن اللہ نے سکھی کی بے گناہی اور مظلومیت پر رحم کھایا اور اسے شہباز کی صورت میں ایک نیک شوہر عطا کر دیا جس نے اس کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی گزارنے کا ارادہ کر لیا۔ اس طرح میری کزن کی قسمت بدل گئی۔ وہ موت سے نکلی اور ایک فرشتہ صفت انسان کی شریک زندگی بن گئی جس نے نہ صرف عزت دی بلکہ جنت جیسا گھر بھی دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے جس پر ہوجائے وہ فرش سے عرش پر پہنچ جاتا ہے ورنہ ہمارے گائوں میں ایسی لڑکی کا بچ جانا بھی ایک معجزہ تھا، جس پر کوئی اس طرح کا الزام ہو، وہ اگر موت سے ہمکنار نہ کی جائے تو فروخت ہوتی ہے تب بھی اس کی زندگی کسی جہنم سے کم نہیں ہوتی۔ سسرال والے بدچلن سمجھتے ہیں اور اس کے کردار پر طعنہ زنی کرتے ہیں مگر سکھی۔

بھری زندگی عطا سکھی رہی۔ اس کے ساتھ ایسا کچھ نہ ہوا۔ اللہ نے اسے بہترین سوچ رکھنے والا شوہر اور خوشیوں کردی۔ زمان نے تو سکھی کی زندگی تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی وہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کے وو اچھے لوگوں میں چلی گئی۔ ورنہ زندگی بھر سکھی طعنے سنتی اور اس کے ماں باپ زمانے کے سامنے عزت کا بھرم رکھنے کے لیے خاموش تماشائی بنے رہتے۔ سکھی کی نیک نیتی نے اسے انعام میں اچھا شوہر دیا۔ سکھی نے اپنے باپ کی لاج رکھی تو پھل اسے بھی ملا۔ سکھی سکھی ہی رہی۔“]